فقہ حنفی میں حالات و زمانہ کی رعایت

حافظ عرفان اللہ *

سعید احمد **

عالم رنگ و بو میں بقا اس چیز کو ہے جو اپنے وجود میں نفع بخش بھی ہو اور سود مند بھی۔ جس قدر اس کا نفع دائمی ہو گا اسی قدر اس کے وجود کو دوام بخشا جائے گا۔ ارشاد ربانی ہے:۔ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ''[1] اسلام چونکہ دین فطرت بھی ہے اور بار گاہ خداوندی سے ''ان الدین عند اللہ الاسلام'' کی سند یافتہ بھی لہذا اس کا نفع بخش ہونا عالمگیر بھی ہے اور دائمی بھی۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح آج سے چودہ سو سال پہلے اس میں بنی نوع انسان کی ہدایت کا فریضہ سر انجام دینے کی صلاحیت تھی آج بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ انسانی معاشرہ میں تبدیلی کا آنا ایک لازمی امر ہے اوقات کے بدلنے سے، احوال کے تنوع سے اور خطوں کے اختلاف سے، ضروریات و ترجیحات بدلتی رہتی ہیں۔ اس لیے لازمی طور پر احکامات بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں اگر بہن بھائیوں کی شادی حرام ہوتی تو نسل انسانی کا سلسلہ کیسے چلتا، اس لئے ایک جنم میں پیدا ہونے والے بچوں کی شادی دوسری پیدائش میں ہونے والے بچوں سے کی گئی جو کہ حقیقی بہن بھائی تھے مگر جب ضرورت باقی نہ رہی، اسے حرام قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح اگر نسخِ احکام کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو اس میں لوگوں کے حالات کا خیال اور رعایت زمانہ کار فرما دیکھائی دیتی ہے کہ جب تک لوگوں کے احوال کے موافق ایک حکم تھا اس پر عمل کو ضروری قرار دیا گیا اور جب دوسرا حکم مناسب دیکھا گیا تو اس کا حکم صادر فرما دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں آنے والی شریعتیں ما قبل شرائع کو منسوخ کرتی رہیں اور ایک شریعت میں بہت سے مسائل ایک دوسرے سے منسوخ ہوتے رہے۔ تبدیلیء احوال سے احکام کی تبدیلی ہمیں نبی کریم ﷺ کے دور میں بھی نظر آتی ہے اور صحابہ کرام کے دور میں بھی اور یہی طریقہ آئمہ فقہاء نے اختیار کیا۔

---

* ایم فل سکالر، شعبہ علومِ اسلامیہ، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

فقہ حنفی میں حالات وزمانہ کی رعایت پر کام کی اشد ضرورت

(۱) انسانی ضروریات جگہ اور وقت کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہیں۔اس لیے شرعی مسائل کے حل میں ان کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔فقہ حنفی کے پیروکار دیگر فقہی مکاتب سے تعداد میں زیادہ ہیں اور تقریباً دنیا کے ہر گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں ان کے لیے شرعی مسائل پر عمل کرنا تب ممکن ہو سکتا ہے جب ان کے احوال کو مد نظر رکھ کر مسائل کی تشریح کی جائے۔اگر سب کے لیے تمام احکام غیر لچکدار اور ایک جیسے ہوں تو اس سے نہ صرف شریعت کا سہولت اور یسر والا پہلو معدوم ہو جائے گا بلکہ لوگوں کو مشقت اور تنگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

(۲)　دور جدید میں دنیا ایک گلوبل ولیج بن چکی ہے معیشت، معاشرت اور معاملات اختلاط کا شکار ہیں ایسے میں بہت سے جدید مسائل کا سامنا ہے جن کے حل کیے بغیر چارہ کار نہیں۔ایسا تو بالکل بھی نہیں کہ شریعت نے ان مسائل کو ادھورا چھوڑنے کی تلقین کی ہو یا کسی اور شریعت کے آنے کا انتظار ہو جو ان مسائل کا حل بیان کرے گی۔جب اسلام ایک عالمگیر اور ابدی دین ہے تو اس میں لامحالہ ان جدید مسائل کا حل بھی ضروری ہے جو حالات کے تقاضوں کے پیش نظر نئی تعبیر اور تشریح کا تقاضا کرتے ہیں اور غیر بیان شدہ مسائل نئی ہدایت اور راہنمائی کے بھی منتظر ہیں۔مثلاً سود ہی کو دیکھ لیجیے ایک تو سود کی صورت حال اتنی سادہ نہیں رہی جتنی قرون اولیٰ میں تھی دوسرا اس کی صورتیں اس قدر متنوع ہو چکی ہیں کہ انسان کا اس سے بچنا تقریباً ناممکن ہو چکا ہے۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سود کو جائز قرار دے دیا جائے بلکہ اس سے بچنے کی جدید اور متبادل صورتیں پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔علاوہ ازیں نکاح و طلاق کے نئے پیش آمدہ مسائل، عدالتی تنسیخ نکاح کے حوالے سے شرعی حدود کا مسئلہ، خرید و فروخت کے جدید مسائل، بینک کا تمام شعبہ ہائے زندگی میں دخیل ہونا، انشورنس کے مسائل، قیمتوں کے نرخ مقرر کرنے کا مسئلہ، سٹاک ایکسچینج اور حصص کی خرید و فروخت، اسلامی بینکنگ کے ذرائع تمویل کا مسئلہ، مشارکہ، (جدید استعمال کے مطابق مشارکہ سے مراد شرکۃ الاموال ہے) مضاربہ، (مضاربہ شرکت کی ایک خاص شکل ہے جس میں ایک شریک دوسرے کو کاروبار میں لگانے کے لیے رقم فراہم کرتا ہے سرمایہ کاری پہلے شخص کی طرف سے کی جاتی ہے اور اسے رب المال کہا جاتا ہے جبکہ کاروبار کا انتظام و انصرام اور عمل کی ذمہ داری دوسرے فریق کے

ساتھ خاص ہے جسے ''مضارب'' کہا جاتا ہے) مرابحہ (مرابحہ بیع کی ایک خاص قسم ہے جس میں بیچنے والا شخص بیچی جانے والی چیز کی لاگت صراحتاً بیان کرتا اور اس پر کچھ منافع شامل کرکے دوسرے شخص کو بیچتا ہے)اور اجارہ (معاوضے کے بدلے میں کسی شخص کی خدمات حاصل کرنا یا کسی متعین مملوکہ چیز کے منافع کسی دوسرے شخص کو کرائے کے بدلے میں منتقل کردینا) کے جدید مسائل۔ الغرض مسائل کا انبار ہے جن کا حل از بس ضروری ہے۔ ان حالات میں ایک تو وہ لوگ ہیں جو مسلم ممالک میں رہتے ہیں ،دوسرے وہ جو یورپ،امریکا جیسے علاقوں میں رہتے ہوئے اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا چاہتے ہیں۔ چنانچہ حالات کی تبدیلی سے فتویٰ میں تبدیلی لابدی امر ہے۔ اس لیے اس بات کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ان مسائل پر توجہ دی جائے اور شرعی بنیادوں پر ان کا حل پیش کیا جائے۔

(۳) کچھ لادینی اور سیکولر سوچ کے حامل افراد اس کوشش میں مصروف ہیں کہ وہ ثابت کرسکیں کہ اسلام ایک غیر مکمل اور محدود مذہب ہے جو معاشرے کے مسائل کا حل پیش نہیں کرسکتا۔ یقیناً ایسے لوگ نفاذ اسلام کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کررہے ہیں۔ اور یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ عہدِ جدید کے جدید تقاضوں کے مطابق اسلام میں راہنمائی موجود نہیں۔ چنانچہ فقہاء عظام نے ان کی اس سوچ کی نفی اپنے عمل سے کی ہے۔ اور ایسی بنیادیں فراہم کی ہیں جو پیش آمدہ مسائل کا حل پیش کرنے میں مدومعاون ہیں۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ان مسائل کو واضح کیا جائے اور ان بنیادوں کی روشنی میں ان مسائل کا حل لوگوں کے سامنے لایا جائے۔

(۴) ہمارے یہاں ایک اور سوچ بھی پائی جاتی ہے جو ظاہر کرواتی ہے کہ اسلام کی تعبیر و تشریح کرنے والے علماء اپنی مرضی اور خواہشات کی بنا پر مسائل کو تبدیل کرتے ہیں اور انہیں اپنی مرضی کے معانی پہناتے ہیں۔ یہ سوچ یقینی طور پر سطحی بھی ہے اور مبنی بر تعصب بھی۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے فقہاء نے لوگوں کی ضروریات اور احتیاجات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلام کے لچکدار رویہ کو واضح کیا ہے اور بتایا ہے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے دین کی تعبیر و تشریح کرتے ہوئے اسی پہلو کو ملحوظ خاطر رکھا تھا۔ اور قرآن کے اس اعلان کے مطابق آسانیاں تقسیم کی فرمائیں تھیں کہ: '' وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ '' [۲]

اور: '' يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ '' [۳]

تبدیلی احوال سے تبدیلی احکام اسلام کا مزاج ہے۔اس مزاج کو واضح کرنے کی از بس ضرورت ہے۔

(۵) یہ بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا دور گزرا ہو جس میں فقہاء نے حالات وزمانہ سے پہلو تہی کی ہو اور نہ کبھی ایسا ہوا کہ ان فقہاء نے حالات سے تنگ آکر کبھی جنگل کا رخ کیا ہو یا کرنے کا حکم دیا ہو۔بلکہ ہر دور میں کوششیں جاری رکھیں اور مسائل کا حل بتاتے رہے۔اور ایسی بنیادیں مہیا کر گئے کہ ان کی روشنی میں ہم اپنے معاملات کو بحسن وخوبی حل کر سکتے ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسے پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے۔

(۶) ہمارے فقہاء ایک عظیم وسعت ظرفی کے حامل تھے جس بنا پر انہوں نے بوقت ضرورت دوسرے فقہی مکتبہ فکر کے موقف کو اپنانے میں تنگ نظری کا مظاہرہ نہیں کیا۔بلکہ خود بھی عمل کیا،اس پر فتویٰ بھی دیا اور دیگر لوگوں کو بھی اس پر عمل کی تلقین کی۔اور واضح کیا کہ اگر ایک حنفی فقیہ بوقت ضرورت مثلاً مالکی فقہ کے مطابق فتویٰ دیتا ہے تو وہ نہ تو حنفیت کو چیلنج کر رہا ہے اور نہ حنفیت سے نکل رہا ہے جیسا کہ مفقود الخبر کی بیوی کا مسئلہ ہے۔ایک فقیہ کے اس عمل سے للّٰہیت اور خلوص بھی جھلکتا ہے اور باہمی محبت اور احترام کے جذبات کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔اور پتہ چلتا ہے کہ ان کے اختلافات دلائل کی بناء پر خالصۃً علمی تھے جن میں ذاتی مفادات وعناد کا شائبہ تک نہ تھا۔آج ضرورت اس بات کی ہے کہ فقہاء کے ایسے قابل رشک رویے کو لوگوں کے سامنے اجاگر کیا جائے۔تاکہ باہمی محبت ورواداری کو فروغ ملے اور نفرتوں کے اس دور میں محبتوں کے چراغ جگمگا سکیں۔

ذیل میں شریعت کے بنیادی مصادر کی مدد سے اس قضیہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں :

دور نبوی ﷺ

کسی بھی عظیم مقصد کو حاصل کرنے اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے خصوصی توجہ،انتھک محنت،عمل پیہم،ساز گار ماحول،یقین محکم،اور صبر واستقامت کی از بس ضرورت ہوتی ہے۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ حالات وزمانہ کا بھی دھیان رکھنا پڑتا ہے۔وقت کے تقاضے،معاملات کی فہم اور زمانے کی کیفیات سب مد نظر رکھ کے لائحہ عمل طے کیا جائے تو اس کے اثرات نہ صرف جلد مرتب ہوتے ہیں بلکہ دیرپا بھی

ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے پر امن انقلاب کا مطالعہ ومشاہدہ کیا جائے تو ہمیں بڑی نفاست اور خوبصورتی کے ساتھ ہر چیز بر موقع وبر محل دکھائی دیتی ہے۔اس میں عمل پیہم بھی ہے اور جہد مسلسل بھی، مقصد کی معنویت بھی اور اسے حاصل کرنے کا انتھک جذبہ بھی، وہاں خلوص بھی ہے اور مضبوط قوتِ ارادی بھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ حالات وزمانہ کے احوال کا گہرا مشاہدہ بھی ہے۔ کیا مکی دور میں اللہ ایک نہیں تھا؟ کیا بت شرک کا منبع و مرکز نہیں تھے؟ کیا کعبۃ اللہ کو بتوں کی نجاست و نحوست سے پاک ضروری نہ تھا؟ کیا مشرکین اپنے جھوٹے خداؤں کو لے کر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی توہین کے مرتکب نہ ہو رہے تھے؟ سب کچھ تھا مگر حالات اس کے متقاضی نہ تھے۔ اس لیے اسلامی عقائد وتعلیمات کے اٹل ہونے کے باوجود حالات وزمانہ کا خیال کیا گیا۔ اور پھر مدنی زندگی میں دیکھئے کہ مکہ میں تو صرف مشرکین سے سامنا تھا مگر مدینہ میں یہودی، منافق اور ان کے پشت پناہ سرداران قریش و مشرکین عرب۔ اس چومکھی لڑائی میں نبی کریم ﷺ کی فراست کاملہ اور حکمت صادقہ کامیاب ہوئی اور پھر وہی کعبہ تھا کہ اس سے بت گرائے جا رہے تھے اور بتوں کے پجاری خاموش تماشائی بننے کے علاوہ کچھ کر نہ سکتے تھے وہی حرم مکہ تھا جہاں ''انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام'' کے حکمنامے پر عملدرآمد ہو رہا تھا اور کوئی چوں بھی نہ کر سکتا تھا۔ یہودیوں کو مدینہ بدر کر دیا گیا تو وہ کچھ نہ کر سکے اور منافقین کو قدموں میں آنا پڑا۔ مختصر یہ کہ نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ حالات وزمانہ کی رعایت اور مصلحت بینی جیسے امور سے بھرپور دکھائی دیتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے اس حکیمانہ طرز عمل کو ہم دو عنوانات سے زیر بحث لا سکتے ہیں:

ا۔ دعوت و تبلیغ، سیاسی معاملات اور حالات کی رعایت

۲۔ شرعی احکامات اور حالات وزمانہ کی رعایت

ا۔ دعوت و تبلیغ، سیاسی معاملات اور حالات کی رعایت

اکثر سیرت نگاروں نے نبی کریم ﷺ کے مکۃ المکرمہ کے دعوتی دور کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے اور پھر مدنی زندگی پر روشنی ڈالی ہے۔ اسی طرح سیاسی حوالے سے مختلف تقسیمات ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو ان تمام ادوار کو چھ (۶) حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے

(ا) سری دعوت کا دور (پہلا دور)

(۲) محدود اور وسیع، جہری دعوت کا دور (دوسرا دور)

(۳) بیرون مکہ وسعت دعوت (تیسرا دور)

(۴) ہجرت مدینہ (چوتھا دور)

(۵) صلح حدیبیہ تا فتح مکہ (پانچواں دور)

(۶) فتح مکہ تا وصال مبارک (چھٹا دور)

ان تمام ادوار میں نبی کریم ﷺ کی دعوتی، دفاعی، اقدامی حکمت عملی حالات زمانہ کے موافق تبدیل ہوتی رہی جیسا کہ کتب سیرت میں مکمل شرح وبسط سے موجود ہے۔

۲۔ شرعی احکامات اور حالات وزمانہ کی رعایت

حکمت نبوی نے جہاں دیگر احوال میں لوگوں کے معاملات کا خیال رکھا اور ان کے لئے آسانیاں فراہم کیں وہاں شرعی مسائل میں اسی حکمت عملی کو ملحوظ خاطر رکھا گیا۔ اگر شرعی احکامات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ہمیں حالات وزمانہ کی رعایت کے اعتبار سے دو چیزیں نہایت واضح دکھائی دیتی ہیں:

(۱) تنفیذِ احکام میں تدریجی حکمت عملی (۲) نفاذ شریعت میں اہتمام نسخ

(۱) تنفیذِ احکام میں تدریجی حکمت عملی

اس ضمن میں نماز، روزہ، طہارت وغیرہ کی مثالیں پیش کرنے سے پہلے علامہ شبلی نعمانی کا اقتباس نقل کرنا نہایت مفید معلوم ہوتا ہے:

"ہجرت سے آٹھ برس کا زمانہ تمام تر (انہیں فتنوں کی دارو گیر) مخالفین کی شور شوروں اور ہنگاموں کی مدافعت میں گزرا اسی لیے آٹھ برس کی وسیع مدت میں فرائض اسلام سے جو چیز ہر جگہ اور ہر موقع پر نمایاں نظر آتی ہے وہ صرف جہاد ہے یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں ایک ایک غزوہ کی تفصیل سینکڑوں صفحات میں ہے۔ لیکن نماز، روزہ، زکوۃ کے متعلق دو دو چار چار سطروں سے زیادہ واقعات نہیں۔۔۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ خدانخواستہ ارباب سیر دیگر فرائض کی اہمیت اور عظمت پیش نظر نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ غزوات کی مصروفیت (اور ملک کی بدامنی) کی وجہ سے اکثر فرائض دیر میں فرض ہوئے۔۔۔ جن احکام کا تعلق قانون ملکی سے تھا وہ اس وجہ سے نازل نہ ہو سکے کہ اب تک اسلام کوئی حکمران طاقت نہ تھا۔ خالص

مذہبی فرائض اوراحکام بھی رفتہ رفتہ اسی زمانہ میں نازل ہوتے رہے اور بتدریج جیسے جیسے ان کے مناسب حالات پیدا ہوتے جاتے تھے وہ تکمیل کو پہنچ رہے تھے۔ سب سے بڑا نکتہ احکام کے تدریجی نزول میں یہ تھا کہ ان سے مقصود محض عربوں کو ان کا بتادینا نہیں تھا بلکہ عملاً ان کی زندگی کو ان پر کاربند بنا دینا تھا۔ اس لیے نہایت آہستہ آہستہ بتدریج ترتیب کے ساتھ ان کو آگے بڑھایا گیا اسی نکتہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا نے نہایت خوبی سے بیان فرمایا کہ پہلے عذاب ثواب کی آیتیں نازل ہوئیں جب دلوں میں استعداد اور رقت پیدا ہوگئی تو احکام نازل ہوئے ورنہ اگر پہلے ہی دن یہ حکم ہوتا کہ شراب نہ پیؤ تو کون مانتا؟۔ الغرض ان مختلف اسباب کی بناء پر اسلام کے اکثر فرائض اور احکام اس وقت تکمیل کو پہنچے جب تمام ملک میں امن وامان قائم ہو گیا"۔[۴]

(۱) نماز چند حالتوں سے تبدیل ہو کر موجودہ صورت میں ہم تک پہنچی۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں " : نماز کی تین حالتیں تبدیل ہوئیں اسی طرح روزہ بھی تین احوال میں تبدیل ہوا۔ نماز کے احوال یہ ہیں : نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَۃً تَرْضٰهَا "ہم دیکھ رہے ہیں بار بار آپ کا منہ کرنا آسمان کی طرف تو ہم ضرور پھیر دیں گے آپ کو اس قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں"۔ تو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف منہ کرنے کا حکم فرمایا یہ ایک حالت ہو گئی۔ اہل ایمان نماز کے لیے جمع ہوتے ایک دوسرے کو اطلاع کرتے قریب تھا کہ ناقوس بجانا شروع کر دیتے۔ کہ ایک انصاری جن کا نام عبد اللہ بن زید تھا نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ "میں نے خواب دیکھا ہے اور اگر میں کہوں کہ میں سویا ہوا نہیں تھا تو سچ ہو گا۔ یعنی نیند اور بیداری کی حالت میں تھا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے دو سبز رنگ کے کپڑے اوڑھ رکھے تھے، اس نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور کہنا شروع کیا: " اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ " دو مرتبہ حتیٰ کہ اذان سے فارغ ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر ٹھہرا حتیٰ کہ اسی طرح پھر کہا مگر اس میں "قد قامت الصلٰوۃ" کا دو مرتبہ اضافہ کیا۔ حضور نے فرمایا بلال کو سکھا دو۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے عرض کی کہ مجھے بھی ایسا ہی خواب آیا ہے لیکن عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پہلے بیان

کر دیا ہے۔ یہ دو حالتیں ہو گئیں۔ (تیسری حالت یہ ہے کہ) لوگ نماز کے لیے آتے تو نبی کریم ﷺ کچھ نماز ادا کر چکے ہوتے ایک آدمی دوسرے کی طرف اشارہ کرتا کہ آپ نے کتنی رکعتیں پڑھ لیں تو دوسرا بتاتا کہ ایک یا دو تو وہ پہلے وہ رکعتیں ادا کرتا پھر نماز میں باجماعت شامل ہوتا۔ پھر ایک دن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جس حالت میں حضور ﷺ کو دیکھتا اس میں شامل ہو جاتا اور اتنی ادا کرتا اور پھر جب نبی کریم ﷺ نماز مکمل کر لیتے تو میں اٹھتا اور اپنی بقیہ نماز مکمل کر لیتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ معاذ نے تمہیں طریقہ بتایا لہٰذا اس طرح نماز ادا کیا کرو۔ یہ تین احوال ہو گئے"۔ ۵

(۲) نفاذ شریعت میں اہتمام نسخ

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ جواز نسخ کی وجہ بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"و ذلک لان الاحکام شرعت و الایات نزلت لمصالح العباد و تکمیل نفوسھم فضلا من اللہ و رحمة وذلک یختلف باختلاف الاعصار و الاشخاص کاسباب المعاش فان النافع فی عصر قد یضر فی عصر غیرہ "۶

"نسخ اس وجہ سے جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کی بناء پر لوگوں کے مصالح اور نفوس کی تکمیل کے لیے احکام نافذ کیے گئے اور آیات نازل ہوئیں۔ اور یہ زمانہ اور لوگوں کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہیں جیسا کہ ذرائع معاش ہیں۔ ایک زمانہ میں ایک چیز نفع دیتی ہے لیکن وہی چیز دوسرے زمانہ میں نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے۔"

دورِ نبوی ﷺ کی چند مثالیں

(۱) پہلے شراب کے برتنوں کو استعمال کرنے سے روک دیا گیا۔ بعد میں جب حالات تبدیل ہو گئے تو انہیں استعمال کرنے کی اجازت ان الفاظ سے فرما دی گئی:

"نھیتکم عن النبیذ الا فی سقاء فاشربوا فی الاسقیة کلھا" ۷

"میں نے تمہیں مشک کے علاوہ برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع کیا تھا۔ اب تم تمام برتنوں میں پی سکتے ہو"۔

(۲) نبی کریم ﷺ نے پہلے زیارت قبور سے منع فرمایا جب حالات تبدیل ہو گئے تو اجازت عطا فرما دی اور فرمایا

''نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها فان فى زيارتها تذكرة'' [8]

میں نے تمہیں قبور پر جانے سے منع کیا تھا اب تم جایا کرو کہ اس میں آخرت کی یاد اشت ہے۔

(۳) قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ رکھنے سے منع فرمایا پھر اجازت مرحمت فرمادی ۔

''كنت نهيتكم عن لحوم الاضاحى فوق ثلاث ليتسع ذو الطول على من لا طول له فكلواما بد الكم واطعموا و ادخروا [9]

(۴) نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ کے حرم ہونے کو بیان فرمارہے تھے اور حرم کی حدود میں موجود اشیاء کے احترام کا حکم دے رہے تھے یہاں تک کہ حرم کے درختوں اور پودوں کو بھی اکھیڑنے سے منع فرمادیا مگر جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی ضرورت کے بارے میں عرض کی کہ اذخر گھاس کی استثناء فرمادیجیے تو نبی کریم ﷺ نے اذخر کو استعمال کرنے کی اجازت دے دی:

''فقال العباس رضى الله عنه الا الاذخر لصاغتنا و قبورنا فقال الا الاذخر'' [10]

خلافت راشدہ اور حالات وزمانہ کی رعایت

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے ہاں بھی ایسی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں جن میں نبی کریم ﷺ کے دور مبارک کے برخلاف حکم جاری کیا یا ارشاد فرمودہ احکامات میں حالات کی بنا پر تبدیلی کی گئی۔ مثلاً

(۱) جمع و تدوین قرآن کے متعلق صحابہ کرام کی کوششیں اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو قائل کرنا۔ جبکہ نبی کریم ﷺ کے دور میں ایسا نہ ہوا مگر حالات کی بنا پر ایسا کرنا پڑا۔ جیسا کہ مروی ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مسیلمہ کذاب سے جنگ ہوئی تو بہت سے حفاظ شہید ہوگئے۔ اب صورت حال گھمبیر ہو رہی تھی کہ اگر اسی طرح حفاظ شہید ہوتے رہے تو قرآن تو ضائع ہو جائے گا لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اظہار خیال کیا کہ قرآن کو کتابی شکل میں جمع کیا جائے۔ ابتداءً تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا بالآخر راضی ہوگئے اور سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو خط لکھا جو کہ یمامہ کے محاذ پر تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خط کا تذکرہ کیا ہے کہ انہوں نے لکھا کہ

’’قلت لعمر کیف افعل شیءًا لم یفعله رسول الله ﷺ قال عمر هذ ا و الله خیر فلم یزل عمر یرا جعنی حتی شرح الله صد ری لذالک‘‘ ۱۱

(۲) انہی امور میں سے شرابی کے لیے حد مقرر کرنے کا حکم متعین کرنا ہے نبی کریم ﷺ کے دور میں شراب پینے والے کے لیے کوڑے متعین نہ تھے جبکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کی تعیین فرمادی۔ چنانچہ مروی ہے

’’فکان ابو بکررضی الله عنه یجلدهم اربعین حتی توفی‘‘ ۱۲

’’حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ شرابیوں کو چالیس کوڑے مارا کرتے تھے حتی کہ آپ کا وصال ہو گیا‘‘۔

(۳) نبی کریم ﷺ نے خواتین کو مسجد میں آنے کی اجازت دی تھی اور منع کرنے والوں کو روکا اور فرمایا ’’: لا تمنعوا اماء الله مساجد الله‘‘ ۱۳ اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مساجد میں آنے سے نہ روکا کرو لیکن حالات کے تبدیل ہونے کی بنا پر حضرت عمر نے خواتین کو مسجد میں آنے سے منع فرمادیا۔ کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شکایۃً عرض کیا تو آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی توثیق کرتے ہوئے ارشاد فرمایا’’:لو ان رسول الله ﷺ رای ما احدث النساء لمنعهن المسجد ‘‘۱۴

اگر نبی کریم ﷺ ملاحظہ فرمالیتے جو عورتوں کا اب حال ہو چکا ہے تو انہیں مسجد میں آنے سے روک دیتے۔

(۴) سیدنا ابو بکر صدیق نے شرابی کو چالیس کوڑے سزادی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں صحابہ کرام کی مشاورت سے اسی کوڑے مقرر کر دی گئی۔ منقول ہے۔

’’فکان ابو بکرضرب اربعین فلما ولی عمر سئل عن ذلک فشاورهم عمر فقال ابن عوف رضی الله عنهما اری ان تضربه ثمانین فضربه ثمانین‘‘۱۵

(۵) دور نبوی ﷺ میں مولفۃ القلوب کو زکوۃ دی جاتی رہی جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ساقط کر دیا اور فرمایا کہ اللہ نے اب اسلام کو غلبہ عطا فرمایا ہے۔’’انما قطعهم عمر لما رای من اعزاز الدین‘‘ ۱۶

(۶) قرآن مجید نے کتابیہ عورت سے نکاح کے جواز کو بیان فرمایا ہے جبکہ حالات کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ممانعت فرمادی۔ چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی خاتون سے نکاح کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں منع کر دیا۔ شفیق بن سلمہ روایت کرتے ہیں:

''تزوج حذیفة بیهودیّة فکتب الیه عمر ان خلّ سبیلها فکتب الیه حذ یفة احرام هی فکتب الیه عمر لا و لکنی اخاف ان تواقعوا المومسات منهن'' [۱۷]

(۷) نبی کریم ﷺ کے دور مبارک اور حضرت ابو بکر و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ادوار میں جمعہ کی ایک ہی اذان ہوتی تھی۔ لیکن جب سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو آپ نے دوسری اذان کا اضافہ فرمالیا۔ اس طرح دو اذانیں اور ایک اقامت ہوا کرتی تھی جسے روایت میں تیسری ندا کہا گیا ہے۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

''کان النداء یوم الجمعة اوله اذا جلس الامام علی المنبر علی عهد النبی ﷺ و ابی بکر و عمر رضی اللہ عنهما فلما کان عثمان رضی اللہ عنه وکثر الناس زاد الند اء الثالث علی الزوراء'' [۱۸]

(۸) قرآن عظیم الشان کا حکم ہے وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَهُمْ '' [۱۹]

''اور کھانا ان لوگوں کا جنہیں دی گئی کتاب حلال ہے تمہارے لیے اور تمہارا کھانا حلال ہے ان کے لیے'' اس آیت میں اہل کتاب کے ذبیحہ کے جواز کا مطلقاً حکم ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بنی تغلب کے نصاریٰ کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے ان کی تخصیص کر دی اور فرمایا:

''لا تاکلوا ذبائح نصاریٰ بنی تغلب فانهم لم یتمسکوا بشیء من النصرانیة الا بشرب الخمر'' [۲۰]

''بنی تغلب کے نصاری کے ذبائح نہ کھایا کرو کیونکہ وہ سوائے شراب کے عیسائیت کے کسی کام سے وابستہ نہیں ہیں''۔

(۹) نبی کریم ﷺ نے کسی کو آگ میں جلانے سے منع فرمایا تھا اور حکم دیا تھا کہ'': انه لاینبغی ان یعذب بالنار الا اللہ'' [۲۱] جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتد کو قتل کے بعد جلا دیا ہے۔ ابو عمرو شیبانی روایت کرتے ہیں کہ'': ان المستورد العجلی تنصر بعد اسلامه فبعث به عتبة بن فرقد الی علی فاستتا به فلم یتب فقتله فطلبت النصاریٰ جیفته بثلاثین الفا فأبی علی و أحرقة'' [۲۲]

"مستور دا لعجلی اسلام لانے کے بعد عیسائی ہو گیا۔ عتبۃ بن فرقد نے اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجوایا۔ آپ نے اسے توبہ کی دعوت دی اس نے توبہ نہ کی تو آپ نے اسے قتل کر دیا۔ نصاریٰ نے تیس ہزار کے عوض اس کی لاش کا مطالبہ کر دیا۔ حضرت علی نے دینے سے انکار کر دیا اور جلا دیا"۔ جلانے کی حکمت شاید یہ ہو سکتی ہے کہ کہیں مستورد کی قوم اس کی دفن کی ہوئی لاش نکال کر نہ لے جائیں اور پھر اسے سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کریں۔ اس لیے آپ نے دفن کرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ اسے جلا دیا۔

فقہاء حنفیہ کی کاوشیں

بعد ازاں فقہاء امت نے ایسے احوال پر بحث کی جن سے احکام تبدیل ہو سکتے ہیں، نئے پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے راہیں متعین کیں، قواعد وضع کیے، شرائط و حدود بیان کیں اور حالات کے مطابق مسائل کی تطبیق و توفیق کا کام سر انجام دیا۔ فقہ حنفی کی انفرادی خصوصیت رہی ہے کہ اس میں شورائی نظام کے تحت مسائل پر بحث کی جاتی اور ان مسائل کو بھی زیر غور لایا جاتا جو کہ ابھی پیش ہی نہیں آئے تھے اس لیے فقہ حنفی کو فقہ تقدیری بھی کہتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، آپ کے تلامذہ اور بعد میں آنے والے فقہاء نے حالات و زمانہ کو خصوصی اہمیت دی ہے۔ اور حالات و زمانہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسائل کا استنباط و استخراج فرمایا ہے۔ ان فقہاء نے ایک اہم کام یہ بھی کیا کہ بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے راہیں متعین کر دیں۔ اس حوالے سے دو کام نہایت اہمیت کے حامل ہیں:

(۱) قواعد فقہیہ میں حالات و زمانہ کی موافقت۔

(۲) آداب فتویٰ کے بیان میں حالات و زمانہ کی رعایت۔

چنانچہ ایسے فقہی قواعد مرتب کیے گئے جن کی روشنی میں مسائل کے استخراج میں آسانی ہوئی۔ ان قواعد میں حالات و زمانہ اور ضروریات انسان سے تعلق رکھنے والے قواعد کو خاص اہمیت دی گئی مثلاً

(۱)　الضرر يزال

(۲)　الضرورات تبيح المحظورات

(۳) الحاجة تنزل منزل الضرورة

(۴) العادة محکمة

(۵) المعروف عرفاکالمشروط شرعاً

چنانچہ علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں

''اعلم ان اعتبار العادة و العرف یرجع الیه فی الفقه فی مسائل کثیرةحتی جعلوا ذلک اصلا'' ۲۳

علامہ شامی اور دیگر حنفی فقہاء نے ایک مفتی کے لئے لازمی قرار دیا ہے کہ وہ زمانے کے تقاضوں کو مد نظر رکھے۔علامہ شامی لکھتے ہیں :

''ثم اعلم ان کثیرا من الاحکام التی نص علیها المجتهد صاحب المذهب بناء علی ما کان فی عرفه و زمانه و تغیرت بتغیر الزمان بسبب فساد اهل الزمان او عموم الضرورة '' ۲۴

مزید لکھتے ہیں:

''لیس للمفتی و لا للقاضی ان یحکما علی ظاهر المذهب و یترکا العرف ------ هذا صریح فیما قلنا من ان المفتی لا یفتی بخلاف عرف اهل زمانه '' ۲۵

ایک اور جگہ رقمطراز ہیں

''فلا بد للمفتی و القاضی بل و المجتهد من معرفة احوال الناس وقد قالوا من جهل باهل زمانه فهو جاهل'' ۲۶

چنانچہ بجاطور پر کہا جاسکتا ہے کہ فقہاء حنفیہ نے ہر دور میں پیش آمدہ مسائل کا نہ صرف حل نکالا بلکہ حالات و زمانہ کا خیال رکھتے ہوئے شریعت کے مقصدِ یُسر کو پیش نظر رکھا۔جس وجہ سے لوگوں کی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔

چند مثالیں

(۱) بیع کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے یہ ضروری شرط سب فقہاء نے بیان کی ہے کہ اگر کسی چیز کی خرید و فروخت کرتے ہوئے ایسی شرط رکھ دی گئی جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا تو وہ بیع صحیح نہیں ہو گی۔اسی

طرح کی ایک صورت بیع الوفاء کی ہے۔ انہیں بنیادی قواعد کی بنا پر فقہاء حنیفہ کی کثیر تعداد نے اسے جائز قرار نہیں دیا۔ اس کے عدم جواز کی اور وجوہات بھی فقہاء بیان کرتے ہیں۔

"بیع الوفاء هو البیع بشرط ان البائع متی رد الثمن یرد المشتری الیه المبیع و هو فی حکم البیع الجائز بالنظر الی انتفاع المشتری به و فی حکم البیع الفاسد بالنظر الی کون کل من الفریقین مقتدرًا علی الفسخ و فی حکم الرهن بالنظر الی ان المشتری لا یقدر علی بیعه الی الغیر، ان بیع الوفاء یشبه البیع الصحیح من جهة و البیع الفاسد من جهة و عقدالرهن من جهة--- و لهذ ا فقد کان حکم بیع الوفاء من هذه الجهة حکم الفاسد --- کل هذه الاحکام منافیه لان یکون بیع الوفاء بیعا صحیحًا"۔ ۲۷

"بیع وفاء اس شرط کے ساتھ بیع کرنا ہے کہ بائع جب ثمن واپس کرے گا مشتری مبیع کو واپس کر دے گا۔ اگر مشتری کے نفع حاصل کرنے کی طرف دیکھیں تو یہ بیع جائز ہوتی ہے۔ اگر اس طرف دیکھیں کہ دونوں سودا کرنے والے اسے فسخ کرنے پر قادر ہیں تو یہ بیع فاسد بنتی ہے۔ اور اگر اس طرف دیکھیں کہ مشتری اسے آگے بیع نہیں کر سکتا تو یہ عقد رہن بنتا ہے۔ یعنی بیع وفا ایک اعتبار سے بیع صحیح کے مشابہ ہے اور ایک جہت سے بیع فاسد کے اور ایک جہت سے یہ عقد رہن بنتا ہے۔۔۔ اس لحاظ سے بیع وفا کا حکم بیع فاسد کا حکم ہو گا۔۔۔ پس یہ تمام احکام اس بات کی نفی کرتے ہیں کہ بیع وفاء کو بیع صحیح قرار دیا جائے"۔

فقہاء احناف کی ایک بڑی تعداد بیع وفاء کو حالاتِ زمانہ کی وجہ سے جائز قرار دیتی ہے کیونکہ اب لوگوں کی کثیر تعداد اس پر عمل پیرا ہے ان کے حالات اور سہولت کو دیکھتے ہوئے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ تبیین الحقائق میں ہے:

"و من مشائخ سمرقند من جعله بیعا جائزا مفید ا بعض احکامه منهم الامام نجم الدین النسفی فقال اتفق مشائخنا فی هذا الزمان فجعلوه جائزا مفید ا بعض احکامه و هو الانتفاع به دون البعض وهو البیع لحاجة الناس الیه و لتعاملهم فیه و القواعد قد تترک بالتعامل و جوز الاستصناع لذلک و قال صاحب النهیة و علیه الفتویٰ" ۲۸

"مشائخ سمرقند میں بعض مشائخ نے بیع وفاء کو جائز قرار دیا ہے اور اسے بعض احکام کے لیے مفید بنایا ہے ان میں سے امام نجم الدین النسفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں انہوں نے فرمایا ہے کہ ہمارے مشائخ کا اس زمانہ میں اتفاق ہے

انہوں نے اسے بیع جائز قرار دیتے ہوئے بعض احکام کے لیے مفید قرار دیا ہے اور بعض کے لئے نہیں۔ یعنی اس سے مشتری نفع حاصل کر سکتا ہے لیکن اسے کسی اور کو فروخت نہیں کر سکتا۔ اس کے جواز کا فتویٰ لوگوں کے لیے اس کی حاجت اور تعامل کی وجہ سے ہے کیونکہ لوگوں کے تعامل کی وجہ سے بعض اوقات قواعد کو ترک بھی کر دیا جاتا ہے"۔

علامہ ابن نجیم نے اس حوالے سے چھ قول ذکر کیے ہیں دوسرا قول ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"الثانی انه بیعٌ صحیح باتفاق مشائخ الزمان للعرف " ۲۹

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بیع مشائخ زمانہ کے اتفاق کے ساتھ عرف کی وجہ سے صحیح ہے۔

بیع وفاء کے متعلق جائز ہونے کا حکم لگانے والوں کی دلیل بھی لوگوں کا تعامل اور حالات وزمانہ کی رعایت ہے۔

(۲) درختوں پر پھلوں کے ظاہر ہونے سے پہلے ان پھلوں کی بیع کرنے کے متعلق حدیث مبارک کے ذخیرہ سے لے کر قدیم فقہی کتب تک اس بیع کے فاسد ہونے کی تصریحات موجود ہیں۔

(۱) صاحب النتف نے بیع فاسد کی اقسام ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"التاسع بیع المخاضرة و هو بیع الثمار علی الاشجار قبل ان یبد و صلاحه" ۳۰

"نویں فاسد بیع، بیع المخاضرۃ ہے اس سے مراد پھلوں کی صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے درختوں پر بیع کرنا ہے"۔

قرون اولی میں اس بیع کو ناجائز تصور کیا جاتا تھا پھر زمانہ کے احوال واطوار تبدیل ہوئے اور بہت سے علاقوں میں اس پر عمل شروع ہوا، علامہ شامی لکھتے ہیں:

علامہ شامی اہل دمشق کے حالات کے حوالے لکھتے ہیں:

"قلت لکن لا یخفی تحقق الضرورة فی زماننا و لا سیما فی مثل دمشق الشام کثیرة الاشجار و الثمار فانه لغلبة االجهل علی الناس لا یمکن الزامهم بالتخلص بأحد الطرق المذکورة و ان امکن ذلک بالنسبة الی بعض افراد الناس لا یمکن بالنسبة الی عامتهم و فی نزعهم عن عادتهم حرج کما علمت و یلزم تحریم اکل الثمار فی هذه البلدان اذ لا تباع الا کذ لک" ۳۱

"میرا یہ کہنا ہے کہ ضرورت کا متحقق ہونا ہمارے زمانے میں مخفی نہیں، خصوصی طور پر دمشق شام جیسے علاقوں میں جہاں باغات اور پھل کثرت سے ہوتے ہیں۔ لوگوں پر جہالت کے غلبہ کی وجہ سے ایسا ممکن نہیں کہ انہیں مذکورہ طریقوں کا پابند بنایا جائے اگرچہ بعض افراد کے لیے تو ایسا کرنا ممکن ہے۔ لیکن عام لوگوں کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں ہوگا اور لوگوں کی عادت چھڑانے میں حرج ہوتا ہے جیسا کہ آپ کے علم میں ہے۔ ان شہروں میں پھل کھانے کو حرام قرار دینا لازم آئے گا۔ کیونکہ پھلوں کو ایسے ہی فروخت کیا جاتا ہے"

خلاصہ بحث

جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں نافذ العمل احکام مابعد زمانہ میں تبدیل ہوئے۔ اسی طرح بعد میں آنے والی شریعت پہلی کو منسوخ کرتی رہی۔ اور بہت سے احکام میں تغیر ہوتا رہا۔ مزید بر آں انہی شرائع کے بعض احکام بعض دیگر احکام کو منسوخ کرتے رہے۔ یہ احکام ضروری نہیں کہ ہر وقت نرم ہی ہوں بلکہ کبھی کبھی سخت حکم بھی نافذ کر دیا جاتا تھا جیسا کہ بنی اسرائیل کی نافرمانی کی بناء پر ان سے بہت ساری نعمتیں بھی چھین لی گئیں اور بہت سے سخت احکام پر عمل کا حکم صادر کیا گیا۔ حضرت موسی علیہ السلام کی شریعت کے ان سخت احکام کو حضرت عیسی علیہ السلام کی شریعت میں نرم کر دیا گیا۔ ان احکام کی تبدیلی کی وجوہات میں لوگوں کے حالات وزمانہ کو خصوصی اہمیت دی گی ہے۔ شریعت محمدیہ ﷺ سابقہ تمام شریعتوں کی ناسخ ہے اس لیے اسے دیئے جانے والے احکام اٹل ہیں چونکہ اس دور تک آتے آتے انسان ذہنی طور پر پختہ ہو چکا تھا اور اپنی ذہنی بالیدگی کے عروج تک جا پہنچا تھا لہذا اسے خاتم النبیین کی صورت میں نبی رحمتہ للعلمین ﷺ عطا کیے گئے اور آخری کتاب کی صورت میں قرآن مجید جیسا صحیفہ ء انقلاب عطا ہوا۔ قرآن مجید کی تشریح وتفصیل احادیث مبارکہ کی صورت میں سامنے آئی قرآن وحدیث میں نسخ کی بحث سے واضح ہوتا ہے کہ حالات وزمانہ کی بناء پر شرعی احکام میں تبدیلی کی بنیادیں خود قرآن واحادیث نے رکھی ہیں جیسے تندرست و بیمار کے لیے نماز وروزے کے احکام میں تبدیلی کا ہونا، صاحب حیثیت اور مال دار ہونے کی حالت میں زکوۃ وحج کا حکم اور نہ ہونے کی صورت میں ساقط ہو جانا، حالت اکراہ میں ایمان کے لیے اقرار باللسان کا بھی ساقط ہو جانا۔ چنانچہ شریعت کے بنیادی احکام کے اٹل ہونے کے باوجود حالات کی تبدیلی سے ان کا بدلنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ شرعی مسائل میں جمود محض نہیں ہے۔

صحابہ کرام اسی نبوی منہج کے مطابق عمل پیرا رہے اور حالات کے موافق شرعی مسائل کا خیال رکھتے رہے، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قرآن مجید جمع کروانا، شراب کی حد کا تعین، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اہل کتاب سے نکاح کو منع کر دینا، مصارف زکوٰۃ سے مؤلفۃ القلوب کو ساقط کر دینا، خواتین کو مسجد میں آنے سے منع کر دینا، اسی رعایت کی مثالیں ہی تو ہیں۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ایک صحیفہ کے علاوہ باقی صحف کو جلانے کا حکم دینا، جمعہ کی ایک اذان کا اضافہ کرنا نیز وصولی زکوٰۃ میں تبدیلی اسی نبوی منہج کا اثر ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا خاص حالات میں بنی تغلب کے اہل کتاب کے ذبیحہ سے روک دینا، شرابی کی سزا کو (۸۰) کوڑے کر دینا جو کہ پہلے چالیس (۴۰) کوڑے تھی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس اجتماعی طرزِ عمل سے حالات وزمانہ کی تبدیلی سے مسائل کی تبدیلی کا پتا چلتا ہے۔ فقہاء کرام کے ہاں انسانی ضرورت، حاجت اور حالات وزمانہ کو مسائل کے استنباط میں خصوصی اہمیت حاصل ہے، اس کا خیال تمام فقہاء نے رکھا ہے۔ فقہ حنفی کے بہت سے امتیازات میں سے ایک امتیاز یہ ہے کہ اس کی بنیادوں میں شورائی نظام کا مواد موجود ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے تلامذہ کی خوبصورت باہمی کاوشوں سے فقہ حنفی میں جو وسعت اور گہرائی پیدا ہوئی وہ فقہ حنفی ہی کا خاصہ ہے۔ صاحبین، شیخین اور طرفین کی یہ اصطلاحیں ان کے علمی اختلاف کے حسن کو بھی واضح کرتی ہیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتاتی ہیں کہ ان اختلافی مسائل کے بڑے حصے کا تعلق حالات وزمانہاور آپ کے تلامذہ کی خوبصورت باہمی کاوشوں سے فقہ حنفی میں جو وسعت اور گہرائی پیدا ہوئی وہ فقہ حنفی ہی کا خاصہ ہے۔ صاحبین، شیخین اور طرفین کی یہ اصطلاحیں ان کے علمی اختلاف کے حسن کو بھی واضح کرتی ہیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتاتی ہیں کہ ان اختلافی مسائل کے بڑے حصے کا تعلق حالات وزمانہ سے تھا اور مابعد فقہاء نے ان کی تشریح اور توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں ایسے حالات ہوتے تو وہ بھی وہی فتویٰ دیتے جو صاحبین دونوں نے یا امام ابو یوسف یا امام محمد (رحمہم اللہ) نے تنہاء دیا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حالات وزمانہ کو مسائل کے استنباط و استخراج میں ایک خاص حیثیت کے طور پر سامنے رکھا گیا ہے۔

سفارشات وتجاویز

متعلقہ عنوان کے حوالے سے چند سفارشات اور تجاویز پیش خدمت ہیں:

۱۔ عصر حاضر میں زندگی کے شعبہ میں وسعت کے ساتھ ساتھ تنوع پیدا ہوا ہے۔ جس بناء پر بہت سے نئے مسائل منصہ شہود پر آئے ہیں۔ ان کے حل اور لوگوں کی راہنمائی کے لیے فقہاء کرام مسلکی تعصب اور تسلب کو پس پشت ڈالتے ہوئے اجتماعی طور پر عملی میدان میں اتریں اور ان کا حل پیش کریں۔ جو مفتیٰ بہ بھی ہو اور قابل عمل بھی۔

۲۔ اسلامی نظریاتی کونسل کو موثر بنایا جائے بلکہ مختلف یونیورسٹیز اور مدارس کو اسلامی نظریاتی کونسل اور قانون ساز اداروں کے ساتھ منسلک کرتے ہوئے جدید فقہی مسائل پر تحقیقی کام کروایا جائے اور متفقہ نتیجہ کو قانون کی شکل دے کر نافذ العمل بنایا جائے۔

۳۔ یونیورسٹیز اور دینی مدارس میں فقہ پر مشتمل شعبہ کو وقیع کیا جائے۔ جس طرح ہمارے عقائد اور اعمال کا تعلق قرآن وحدیث کی معلومات سے منسلک ہے اسی طرح احوال شخصیہ اور مالیاتی نظام، یعنی شعبہ معاشیات کو بھی شعبہ اسلامیات سے منسلک کیا جائے۔ تاکہ سرمایہ دارانہ سوچ پر اسلامی تعلیمات کا سایہ برقرار رہے اور مالیاتی نظام کو حرام کی حدت و آمیزش سے بچانے کے لیے Feed Back ملتا رہے۔

۴۔ اسلامی فقہ کے مروجہ نصاب کی تدوین نو کی جائے اور عصر حاضر کے سلگتے مسائل اور ان کے حل کے قواعد کو نصاب کا حصہ بنایا جائے تاکہ طلبہ میں فقیہانہ بصیرت پیدا ہو سکے۔ ایسا کرنے کی جہاں یونیورسٹیز میں ضرورت ہے اس سے بڑھ کر دینی مدارس میں ضرورت ہے۔

۵۔ فقہ کی تدوین جدید میں مدارس دینیہ بنیادی کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس حوالے سے دو طرح سے کام کی اشد ضرورت ہے۔

i۔ حکومت وقت سیاسی مفادات کو پس پشت رکھتے ہوئے فقط امت کی بھلائی کی خاطر سرپرستی اور معاونت کا فریضہ سرانجام دے۔

ii۔ فقہی بصیرت رکھنے والے علماء اور جدید معاشی اور معاشرتی علوم میں دسترس کے حامل اہل علم کے درمیان روابط کو بڑھایا جائے۔ تاکہ معاشرتی اور معاشی حوالے سے تبدیلیوں کا جائزہ لے کر نئے پیش آمدہ مسائل کا تعین ہو سکے ان کے حل کے لیے بنیادی فکری و عملی نصاب مرتب ہو اور پھر حکومت وقت اسے نافذ العمل قرار دے۔

۶۔ اسلامی معاشیات کے حوالے سے دیگر اسلامی ممالک کے فقہاء نے بہت اہم کام کیا ہے ۔ خاص طور پر، مصر، شام، سعودیہ وغیرہ لیکن ہمارے طلبہ کے لیے اردو زبان میں نہ ہونے کی بنا پر استفادہ کرنا مشکل ہے لہذا اس کام کا اردو میں ترجمہ کیا جانا چاہیے۔ تاکہ استفادہ کرنا ممکن ہو سکے۔

۷۔ جدید مواصلاتی سہولیات کی بنا پر دنیا گلوبل ویلج(global village) بن چکی ہے۔ باہمی روابط کے بڑھنے سے عملی فتنوں کے ساتھ ساتھ فکری فتنوں میں بھی خاصہ اضافہ ہوا ہے۔ سیکولر بنیادوں کو جڑ پکڑنے کا موقع ملا ہے۔ لہٰذا اہل علم حضرات کو اجتماعی کاوشوں کے ساتھ ساتھ انفرادی طور پر ادا کرنا چاہیے اور سیکولر سوچ سے پیدا ہونے والی چنگاریوں کو اپنی فکری شبنمی پھوار سے بجھاتے رہنا چاہیے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ سورۃ الرعد ۱۳:۱۷

۲ ۔ سورۃ الحج ۲۲:۷۸

۳۔ سورۃ البقرۃ ۲:۱۸۵

۴۔ شبلی نعمانی، علامہ، م ۱۹۱۴ء: **سیرۃ النبی**، مکتبہ اسلامیہ لاہور، ط ۲۰۱۲ء، ج ۲، ص ۴۷۹

۵۔ ابن کثیر، عماد الدین اسماعیل، م ۷۷۴ھ: **تفسیر القرآن العظیم**، جمیعۃ احیاء التراث الاسلامی، الکویت، ط ۱۹۹۲ء ج ۱، ص ۲۲۹

۶۔ البیضاوی، عبد اللہ بن عمر م ۶۵۸ھ: **انوار التنزیل واسرار التاویل**، دار فراس للنشر والتوضیح، س ن، ص ۲۳

۷۔ النیشابوری ، مسلم بن حجاج ،م ۲۶۱: **صحیح**، کتاب الاشربہ، باب کراھیۃ انتباز التمر و الزبیب مخلوطین، دار المعرفۃ، بیروت، ط ۲۰۰۵، ص ۹۴۷

۸ ۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث: **السنن**، کتاب الجنائز، باب فی زیارۃ القبور، مکتبۃ المعارف، الریاض، ط ۲۰۰۷، ص ۵۸۲

۹۔ الترمذی، محمد بن عیسی، م ۲۹۷ھ: **السنن**، ابواب الاضاحی، باب ماجاء فی رخصۃ فی اکلھا بعد ثلاث، دار الکتب العلمیہ بیروت، ط ۲۰۰۳، ص ۸۷

۱۰۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، م ۲۵۶ء: **الصحیح**، کتاب الجنائز، باب الاذخر والحشیش فی القبر، دار الفکر بیروت، ط ۲۰۰۵ء، ص ۳۱۸

۱۱۔ ایضاً، کتاب الفضائل، باب جمع القرآن، ص ۱۲۸۴

۱۲۔ البیھقی، احمد بن حسین، امام: **السنن الکبری**، کتاب الاشربۃ والحد فیھا، باب ماجاء فی عدد حد الخمر، ج ۱۳، ص ۱۳۳

۱۳۔ النیشابوری، مسلم بن حجاج: **الصحیح**، کتاب الصلوۃ، باب خروج النساء الی المساجد، ص ۲۲۹

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۳

۱۵۔ البیہقی، احمد بن حسین، **السنن الکبریٰ**، کتاب الاشربۃ، باب ما جاء فی عدد حد الخمر، دار الفکر، بیروت، ط ۲۰۰۵، ج ۱۳، ص ۱۲۹

۱۶۔ القرطبی، محمد بن احمد، م ۶۶۸ھ: **الجامع لاحکام القرآن**، دار الکتاب العربی، ۱۹۹۷ء، ج ۸، ص ۱۶۶

۱۷۔ الجصاص، احمد بن علی، م ۳۷۰ھ: **احکام القرآن**، سہیل اکیڈمی لاہور، ط س ندارد، ج ۲، ص ۳۲۵

۱۸۔ بخاری، محمد بن اسماعیل: **الجامع الصحیح**، کتاب الجمعۃ، باب الاذان یوم الجمعۃ، ص ۲۱۶

۱۹۔ سورۃ المائدۃ ۵:۵

۲۰۔ الھندی، علی المتقی بن حسام الدین، م ۹۷۵ء: **کنز العمال**، کتاب الذبح، باب محظورات الذبح، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ط ۲۰۰۴ء، ج ۶، ص ۱۱۴

۲۱۔ ابن ابی شیبہ، عبد اللہ بن محمد: **مصنف ابن ابی شیبہ**، کتاب الجہاد، باب من نھی عن تحریق بالنار، مکتبہ امدادیہ ملتان، س ن، ج ۷، ص ۶۵۹

۲۲۔ الصنعانی، عبد الرزاق بن ہمام، الحافظ، م ۲۱۱: **المصنف**، کتاب اللقطۃ، باب فی الکفر بعد الایمان، دار الکتب العلمیہ بیروت، ط ۲۰۰۰ء، ج ۹، ص ۴۶۷

۲۳۔ ابن نجیم، زین الدین بن ابراھیم، ۹۷۰ھ: **الاشباہ والنظائر**، قدیمی کتب خانہ کراچی، س ن، ص ۹۴

۲۴۔ شامی، محمد امین بن عابدین، م ۱۲۵۲ھ: **شرح عقود رسم المفتی**، مکتبہ دار العلوم کراچی، ۱۴۳۲ھ، ص ۱۱۶

۲۵۔ ایضاً، ص ۱۲۱

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۲۳

۲۷۔ علی حیدر: **درر الاحکام شرح مجلۃ الاحکام**، دار عالم الکتب بیروت، ط ۲۰۰۳ء، ج ۲، ص ۱۱۲، ۱۱۱

۲۸۔ الزیلعی، عثمان بن علی، م ۷۴۳: **تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق**، مرکز اہلسنت برکات رضا، الھند، ط ۲۰۰۵ء، ج ۶، ص ۲۳۷

۲۹۔ ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، م ۹۷۰ھ: **البحر الرائق شرح کنز الدقائق**، دار احیاء التراث العربی بیروت، ط ۲۰۰۲ء، ج ۶، ص ۱۳

۳۰۔ السغدی، علی بن حسین، م ۴۶۱ھ، **النتف فی الفتاوی**، مکتبہ حقانیہ، س ن، ص ۲۸۹

۳۱۔ شامی، محمد امین بن عابدین، م ۱۲۵۲ھ، **رد المحتار علی الدر المختار**، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۸۷ء، ج ۴، ص ۳۹